ثقافت
بشیر احمد ڈار

مانی اور اس کا فلسفۂ اخلاق

(۳)

اگرچہ تمام انسانوں کا مقصدِ حیات یہی ہے کہ وہ نور کے اجزائے پاکیزہ کو ظلمات کے اجزائے خبیثہ سے علٰحدہ کرنے میں مدد دیں لیکن فطرتی صلاحیتوں کے اختلاف کے باعث یہ ممکن نہیں کہ سبھی انسان ایک ہی طرح کی عملی زندگی اختیار کریں۔ اس اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مانی نے اپنے پیروؤں کو پانچ مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ معلمون مشمسون، قسیسون، صدیقون، سماعون (نیوشندگان)۔ لیکن عام طور پر دو ہی گروہ مشہور ہیں، صدیقون[1] یا وزیدگاں اور نیوشندگان۔ ان میں سے ہر ایک کی تعداد کچھ عرصے تک تو مقرر رہی لیکن بعد میں اس پر قائم رہنا مشکل ہو گیا اور اس لئے یہ تعداد بدلتی رہی۔ لیکن وزیدگان کی حیثیت مانوی مذہب میں عیسائی کلیسا کے عالم یا برہمنوں کی طرح نہ تھی۔ اس کے ذمہ مذہبی رسوم کی ادائیگی کا بار یا فرض نہ تھا جو ان کے علاوہ اور کوئی نہ کر سکے اور نہ ان کے ہاں کسی قسم کی مذہبی اجارہ داری مخصوص تھی۔ ان کی خصوصی صفت صرف یہ تھی کہ وہ اپنے دین کے علم میں دوسروں سے فائق تھے اور اپنے دینی مطالبات اور تقاضوں کو ادا کرنے میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے اور اپنے اوپر وہ چیزیں بھی حرام کر لیتے تھے جو نیوشندگاں کے لئے جائز اور حلال تھیں۔ یہ حلال و حرام کی تمیز مانیوں کے ہاں تین مہروں کے نام سے موسوم تھی۔ پہلی مہرِ دہان تھی یعنی کفر آمیز اور ناپاک کلام اور حرام اشیاء کے استعمال سے پرہیز۔ دوسری مہرِ دست یعنی ہاتھوں کو ان تمام کاموں سے روکنا جن سے نور کو ضرر پہنچے اور تیسری مہرِ دل یعنی ناپاک اور شہوانی خواہشات سے پرہیز کرنا۔ ان تین علی مہروں کے احکام وزیدگاں اور نیوشگاں کے لئے مختلف تھے۔ وزیدگاں کو اجازت نہ تھی کہ ایسا پیشہ اختیار کریں جس سے عناصر کو ضرر پہنچے یا دولت کی تلاش کریں یا دُنیاوی آسائشوں کے درپے ہوں۔ گوشت کھانا ان کے لئے ممنوع تھا اور نباتات کا اکھاڑنا بھی ان کے لئے گناہ تھا کیونکہ اس طرح نباتات کے اجزائے نور ضائع ہونے کا امکان ہے۔ ان کیلئے

---

[1] صدیق کے لفظی معنی سچے کے ہیں لیکن مانویوں میں جو لفظ رائج تھا وہ سریانی زبان کا زدّیق تھا جس کے معنی نیک کے ہیں اور یہی لفظ تھا جس سے بعد میں لفظ زندیق بنا جو پہلے ساسانیوں کے عہد میں عام مانویوں کے لئے استعمال ہوتا رہا اور بعد میں مسلمانوں میں بھی اسی مفہوم میں بولا جاتا رہا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد زندیق، زنادقہ اور زندقہ ہر اس فرقے پر چسپاں کیا جانے لگا جو مروّجہ اسلامی عقائد کے خلاف تھا۔

شراب بھی حرام تھی۔ بقول بیرونی انہیں تاکید تھی کہ ایک دن کی خوراک اور ایک سال کے کپڑوں سے زیادہ اپنے پاس کچھ نہ رکھیں۔ تجرد کی زندگی ان کے لئے ناگزیر تھی کیونکہ مانی کے نزدیک زندہ چیزوں کی ہلاکت اور افزائش نسل دونوں نور اور ظلمت کی آمیزش کو برقرار رکھنے میں مددگار ہوتے ہیں اور اس لئے مقاصدِ حیات کے منافی۔ ان کی زندگی کا مقصد وحید یہ تھا کہ لوگوں کو راہِ راست کی تلقین کرتے رہیں اور اس لئے وہ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ نیوشگان کے لئے قواعد اتنے سخت نہ تھے۔ دنیاوی کام کرنے کی انہیں پوری اجازت تھی۔ ان کے لئے گوشت کھانا حلال تھا مگر اپنے ہاتھ سے کسی جانور کو ذبح کرنا ممنوع تھا۔ شادی کی بھی اجازت تھی لیکن ان کے لئے عام ہدایت تھی کہ وہ دنیا سے دل نہ لگائیں اور بلند اخلاقی معیار اور مقصدِ حیات کو ہمیشہ نگاہ کے سامنے رکھیں۔ نیوشگاں کے مختلف فرائض میں یہ چیز بھی شامل تھی کہ وہ وزیدگاں کے لئے ساگ پات توڑ کر پکا کر ان کے سامنے رکھیں اور ان کی دیگر ضروریات کی ذمہ داری بھی انہی پر تھی جب کھانا ان کے سامنے رکھا جاتا تو وہ پہلے دعا کرتے اور اناج کو مخاطب کرکے کہتے کہ نہ میں نے تمہیں ”گایا، نہ کاٹا، نہ پیسا اور نہ آگ پر رکھا۔ کسی دوسرے نے یہ تمام کام کئے اس لئے میں تمہارے کھانے میں بالکل بے گناہ ہوں۔ اس کے بعد وہ نیوشگان کے لئے دعا کرتے کہ نباتات اور اناج کے حاصل کرنے میں جو گناہ ان سے سرزد ہوا ہے خدا اس کو معاف کرے۔ زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا سب کے لئے فرض تھا۔ مہینے میں سات دن روزہ رکھا جاتا تھا اور دن رات میں چار نمازیں ہوتی تھیں۔ نماز سے پہلے پانی کے ساتھ مسح کیا جاتا تھا۔ اگر پانی میسر نہ ہو تو ریت یا کوئی اور اسی قسم کی چیز مسح کے لئے استعمال کی جاتی تھی۔ ہر نماز میں بارہ دفعہ سجدہ کیا جاتا تھا۔ نیوشگان اتوار کو اور وزیدگان پیر کو مقدس مانتے تھے اور اس دن روزہ رکھتے تھے۔ خیرات کا دینا واجب تھا لیکن غیر مانویوں کو روٹی اور پانی دینا منع تھا کیونکہ اس طرح اجزائے نور اور اجزائے ظلمت کی آمیزش کا اندیشہ تھا۔ لیکن کپڑا یا نقدیا کوئی اور چیز جو ان کے نزدیک نور سے خالی ہو دینے میں مضائقہ نہ تھا۔ جادو اور بت پرستی کی بہت سختی سے ممانعت کی گئی تھی۔

ابن ندیم نے مانویوں کی نماز کے چند الفاظ نقل کئے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ مبارک ہے ہمارا ہادی، فارقلیط، نور کا پیغمبر، مبارک ہیں اس کے محافظ فرشتے اور قابلِ ستائش ہیں اس کے نورانی گروہ۔

۲۔ قابلِ ستائش ہو تم اے نورِ مجسم مانی ہمارا ہادی، نورانیت کا مصدر و منبع، شاخِ حیات، وہ شجرِ عظیم جو سرتاپا بیماریوں کے لئے اکسیرِ اعظم ہے۔

۳۔ میں صدقِ دل اور سچی زبان سے خدائے بزرگ و برتر، منبع و مصدرِ انوار کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں اور اسکی حمد کرتا ہوں۔ تم ہی قابلِ ستائش و عبادت ہو، اور یہ مبارک و سعید دنیا جو تمہارے ہاتھوں ظاہر ہوئی قابلِ تعریف ہے۔ وہ تمہاری عبادت کرتا ہے جو تمہارے نورانی و مقدس گروہ، تمہارے کلمے، تمہاری قوت و شوکت کی اور ہر اس چیز کی

جو تمہیں اچھی معلوم ہوتی ہے تعریف کرتا ہے کیونکہ تم ہی وہ خدا ہو جو سراسر صداقت زندگی اور تقدس ہے۔

۴۔ میں ان تمام منور فرشتوں، تمام روشنیوں اور تمام نورانی گروہوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں جو خدائے عظیم و برتر کے حکم سے موجود ہوئے ہیں۔

۵۔ میں ان تمام عظیم و مقدس گروہوں اور نورانی دیوتاؤں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں جنہوں نے اپنی حکمت و دانائی سے ظلمت کے تاریک و محیط پردوں کو اٹھا دیا اور ان پر قابو پایا۔

۶۔ میں قوت و عظمت کے باپ، صاحب جلال و نور.... کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں۔

ان دعاؤں میں عرفانیوں جیسی قنوطیت اور دنیا بیزاری کا شائبہ بھی موجود نہیں۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ مانی کا نظریۂ کائنات و تخلیق آدم بہت کچھ اسی ماحول کی پیداوار ہے جس میں عیسائیت نے آنکھ کھولی اور جس سے اس نے مصالحت بھی کی لیکن جہاں تک توبہ و استغفار اور گناہ کا تصور ہے اس معاملہ میں مانی کا نظریہ بالکل صحت مند تھا۔ اس کا خیال تھا کہ انسان فطری طور پر گناہ کا پتلا نہیں جس کے لئے کسی ابن اللہ[1] کو کفارہ ادا کرنے کے لئے صلیب پر چڑھ کر قربانی دینی پڑے۔ انسان فطری طور پر گناہ گار نہیں بلکہ کمزور ہے اور اس کے باعث گاہے بگاہے اس سے عمداً اور اکثر دفعہ سہواً غلطیاں اور نافرمانیاں ہو جاتی ہیں لیکن اگر وہ اپنی غلطی کو محسوس کرے تو توبہ و استغفار سے اپنی کوتاہیوں کے نتائج سے بچ سکتا ہے۔ مانویوں کا عقیدہ تھا کہ توبہ سے معافی ہو جاتی ہے کیونکہ آدمیوں کو اس کے گناہوں کے سبب سزا نہیں ملتی بلکہ گناہوں پر نادم نہ ہونے پر سزا ملتی ہے۔ قرآن میں آدم کی لغزش کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ جب اس نے نافرمانی سے توبہ کر لی اور وہ قبول ہوئی تو گویا وہ اپنی نافرمانی پر عذاب کا مستحق نہ رہا۔ گناہ گاری کا جو داغ اس کے دامن پر لگ گیا تھا وہ دھو ڈالا گیا۔ عیسائیوں کے ہاں اس کے برعکس یہ تصور موجود ہے کہ گناہ کا داغ نہ صرف یہ کہ آدم کے ساتھ ہمیشہ کے لئے لگا رہا بلکہ اس کا اثر تمام بنی آدم میں تا قیامت موجود رہیگا اور ان کی تمام اخلاقی کوششیں اس داغ کو دور نہیں کر سکتیں۔ بائیبل میں آتا ہے کہ آدم کو جنت سے زمین پر بھیجنا اسی گناہ کی سزا کے طور پر تھا چونکہ یہ دنیا دار العذاب ہے۔ مانی کے پیرو ہر نماز میں کہتے ہیں کہ "یہ دنیا مبارک و سعید ہے جو خدائے نور کے ہاتھوں عالم وجود میں آئی"۔ اسلام میں توبہ کا مفہوم یہی ہے کہ انسان سے ایک غلطی سرزد ہوئی لیکن اس پر ندامت سے وہ اپنے خدا کی طرف پلٹ آتا ہے ؎

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

---

[1] مانوی کتابوں میں ایک جگہ مانی کے لئے "ابن اللہ" کا لفظ ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں نبیوں اور رسولوں کے لئے یہ لفظ عام طور پر مستعمل ہوتا تھا اور اس میں وہ مفہوم پوشیدہ نہیں تھا جو بعد میں عیسائیوں نے عرفانی تماثیل کے زیر اثر اور اپنے زمانہ کے رجحانات سے مصالحت کرنے کے لئے اختیار کیا۔

ایک جگہ قرآن میں صحیح مومن کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناهون عن المنکر والحافظون لحدود الله وبشر المومنین (۹: ۱۱۲)

توبہ کرنے والے، اس کی عبادت کرنے والے، اس کی تعریف کرنے والے اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے، اس کے آگے رکوع وسجود کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنیوالے، ان مومنین کو خوشخبری دیدو۔

جس انداز سے یہاں لفظ "تائبون" استعمال ہوا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کی صفت ہے کہ وہ ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ ہمیشہ توبہ کرتے رہتے ہیں اور اسی پلٹ آنے میں ظلمات سے نور کی طرف رجوع کرنے میں ان کا علوشان مضمر ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں اس چیز کو تسلیم کیا گیا ہے کہ انسان اپنی کمزوری کے باعث اکثر غلط راستے پر گامزن ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کا بنیادی رشتہ خدا سے قائم رہے اور وہ اپنی غلطیوں پر نادم ہوتا رہے تو وہ خسران سے بچ جاتا ہے:

ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نکفر عنکم سیئاتکم۔ (۴: ۳۱)

اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے تو تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کر دینگے۔

اس آیت سے گناہوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنا، صغائر و کبائر، مستنبط نہیں ہوتا بلکہ صحیح مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ دینِ حق کے چند بنیادی تقاضے ہیں اور چند مضمرات۔ اگر انسان ان بنیادی تقاضوں کو ہمیشہ سامنے رکھے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے تو اس سلسلہ میں اس کی فروگذاشتیں قابلِ سزا متصور نہیں ہونگی اور پھر اس کے علاوہ ان کوتاہیوں کے باوجود اس کے نیک اعمال کا پلڑا بھاری ہے تو یہ لغزشیں بے معنی ہوکر رہ جاتی ہیں:

ان الحسنات یذهبن السیئات۔ یقیناً نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

گناہوں کے سلسلے میں مانیوں کی ایک کتاب "خواست توانست" چینی ترکستان سے دریافت ہوئی ہے جسے ایک قسم کا اعتراف نامہ کہنا چاہئے۔ اگرچہ اس میں محض اعترافات و استغفارات کے ساتھ ہی ساتھ کچھ مانوی عقائد کی تفصیل بھی موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مانوی اخلاق میں کیا کیا حدود و اصول مقرر کئے گئے ہیں۔

(۱) خدا کے متعلق لکھا ہے کہ خدا کو خالقِ کل یعنی خیر و شر دونوں کا خالق کہنا کہ خدا ہی ہے جو زندگی کو پیدا کرتا اور فنا کرتا ہے — غلط عقیدے ہیں۔ "اے خدا اگر نادانستہ میری زبان سے یا میرے دل میں یہ تصورات آئے ہوں تو میں تیرے ساتھ اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ استغفر اللہ[1]

(۲) اگر ہم نے اپنے ہاتھوں کی دس سانپ کی شکل کی انگلیوں اور بتیس دانتوں سے جاندار چیزوں کو بطور اکل

---

[1] اصل کتاب میں جو پہلوی الفاظ (منا ستار حرزہ) ہیں ان کا لغوی ترجمہ ہے "اے خدا میرے دھبے کو دھو ڈال"۔

وشرب استعمال کرکے نورِ ازل کو نقصان پہنچایا ہو، اس خشک زمین، پانچ قسم کے حیوانات[1] یا درختوں پر ظلم کیا ہو تو اے خدا میرے گناہوں سے درگذر کر۔ استغفراللہ

(۳) اگر مجھ سے گزرے ہوئے پیغمبروں (بُرہان)، یا موجودہ صدیقوں کے خلاف کوئی حرکت ہوگئی ہو، اگر خدا کی شریعت کو قبول کر لینے کے بعد اس کی اشاعت میں کوتاہی کی ہو تو استغفراللہ

(۴) اگر میں نے کسی جاندار کو تکلیف دی ہو، مارا، ڈرایا یا ناراض کیا ہو، تو استغفراللہ

(۵) دس بُرائیاں جن سے بچنا ضروری ہے درج ذیل ہیں: جھوٹ، دروغ حلفی، ایک غلط کار انسان کی تصدیق کرنا، ایک بے گناہ انسان کو ستانا، غیب سے دشمنی پیدا کرنا، جادو کے کام کرنا، بہت سے جانوروں کو مارنا، دھوکا، امانت میں خیانت کرنا، چاند اور سورج[2] کی ناراضگی مول لینا وغیرہ۔

(۶) غلط نبیوں پر ایمان لانا، غلط روزے رکھنا، غلط طریقے سے خیرات دینا، غلط کاموں سے اچھے اجر کی توقع رکھنا، زندہ جانوروں کی قربانی دینا سب ممنوعات ہیں۔

(۷) جب سے مجھے صحیح خدا اور خالص شریعت کا علم ہوا ہے، میں دو بنیادوں اور تین لمحات کے قانون[3] کی صحیح نوعیت سے واقف ہو چکا ہوں، یہ بھی جان گیا ہوں کہ نور کی بنیاد جنت ہے اور ظلمت کی بنیاد جہنم ...... یہ بھی علم ہو گیا ہے کہ زمین اور آسمان کا کون خالق ہے اور کس طرح یہ دونوں تحلیل ہونگے، کس طرح نور اور ظلمت کے ذرات علیحدہ ہونگے اور اس کے بعد کیا ہوگا۔ ہم سب سے منہ موڑ کر خدائے برتر، سورج اور چاند اور پیغمبروں پر آسرا کئے ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنے دلوں پر عشق، ایمان، تقوٰے، (یعنی خوف)، اور حکمت کی چار مہریں لگا لی ہیں۔ اگر میں اس عقیدے سے انحراف کروں تو خدا مجھے پناہ میں رکھے۔

(۸) اگر خیرات و صدقات میں، روزہ رکھنے یا شریعت کے دوسرے احکام پر عمل کرنے میں مجھ سے کوئی فروگذاشت ہوئی ہو تو میں خدا سے استغفار کرتا ہوں۔

(۹) میں خدا سے اپنی زبان، دل، کان، آنکھوں کی فروگذاشتوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

(۱۰) دس احکام کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں سے تین کی پیروی منہ سے، تین کی دل سے، تین کی ہاتھ سے اور ایک کی سارے نفس سے ہونی چاہیئے۔ اگر بُری صحبت سے یا دُنیاوی دلچسپیوں کے باعث کوئی کوتاہی سرزد ہو تو میں خدا سے

---

[1] پانچ قسم کے حیوان یہ ہیں: انسان، چوپائے، اُڑنے والے جانور، آبی جانور اور کیڑے مکوڑے۔

[2] مانوی عقیدے کے مطابق چاند اور سورج زندہ نورانی ہستیاں ہیں جن کا کام یہ ہے کہ کائنات کے نورانی ذرات کو ظلمات سے علیحدہ کرتے رہیں، اس لئے کسی کا یہ کہنا کہ وہ مُردہ اور بے جان ہیں اور محض مشینی طور پر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں مانویوں کے نزدیک فسق ہے۔

[3] دو بنیادوں سے مراد نور اور ظلمت، تین لمحات سے ماضی، حال اور مستقبل ہے۔

مغفرت کا طلبگار رہوں۔ مانی کے دس احکام یہ ہیں:

مندرجہ ذیل بُرائیوں سے بچو: (۱) بُت پرستی (۲) جھوٹ (۳) لالچ (۴) قتل و خون (۵) زنا (۶) چوری (۷) جادو یا اسی طرح کے منتر جنتر (۸) مذہب کے متعلق شکوک و شبہات کا شکار رہونا (۹) کاروبار میں سستی اور بے پروائی۔

(۱۰) آخری حکم یہ ہے کہ دن میں چار (یا سات) دفعہ نماز ادا کی جائے۔[۱]

مانی کے تمام نظامِ اخلاق کی بنیاد جس نظریۂ حیات و کائنات پر مبنی ہے اس کا لازمی نتیجہ رہبانیت ہے اور یہی اس کے مفصل احکام سے نظر آتا ہے۔ لیکن رہبانی نظریۂ حیات چونکہ انسانی فطرت کا ساتھ نہیں دے سکتا اس لئے لازمی طور پر ایسے تمام رہبانی طرز کے اخلاقی نظاموں میں انسانوں کو دو مختلف النوع گروہوں میں تقسیم کیا جاتا رہا ہے۔ مثلاً گوتم کے اخلاقی نظام میں دنیاوی زندگی کے مختلف تمدنی مشاغل کو نروان کے راستے میں ایک رکاوٹ سمجھا جاتا رہا اور اس لئے بدھ مت کے پیروؤں میں سے ایک منتخب گروہ جو ہمیشہ اقلیت میں رہا ہے ایسا تھا جو شادی اور گرہستی کی ذمہ داریوں سے علیحدہ رہا جس نے اپنے روزمرہ کی فطری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کبھی عملی زندگی میں شرکت نہ کی بلکہ دوسرے لوگوں سے بھیک مانگ کر پیٹ کی آگ بجھاتا رہا لیکن اس مختصر سی اقلیت کے علاوہ بدھ مت کے دوسرے پیرو اسی طرح زندگی کے تمدنی تقاضوں کو پورا کرتے رہے جس طرح دوسرے مذاہب کے لوگ تھے۔ آخر اس نظامِ اخلاق سے کیا انقلابی تبدیلی کی اُمید ہوسکتی ہے جس سے مستفید ہونے والے سارے معاشرے میں صرف چند افراد ہوں؟ اسی غیر فطری معاشری تقسیم کا نتیجہ تھا کہ گوتم کی کئی سالوں کی مسلسل کوششوں اور بعد میں کئی بادشاہوں کی تبلیغی سرگرمیوں کے باوجود ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم ختم نہ ہوسکی۔ اسی لئے بعض مفکرین کا کہنا حق بجانب ہے کہ بدھ مت کو ہندو معاشرے کی اصلاحی تحریک کہنا ہی غلط ہے کیونکہ اس کے ہاتھوں کوئی اصلاحی کام نہ ہوسکا۔

یونان میں رواقی مفکرین نے اپنے اخلاقی نظام کی بنیاد حکمت اور عقل پر رکھی اور انسانی جذبات و رجحانات کو تمام بداخلاقی کا منبع سمجھتے ہوئے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ چنانچہ ان کے ہاں بھی معاشرے کی تقسیم موجود تھی۔ ایک طرف تو وہ اقلیت تھی جو حکمت و عقل کے صحیح حامل قرار دئے جاتے تھے اور دوسری طرف وہ اکثریت تھی جن کو ان کی اصطلاح میں نادان یا بے وقوف کا خطاب ملا۔ ان کے خیال میں یہ تفریق اتنی مطلق تھی کہ تمام انسان ان دونوں میں سے کسی ایک میں ضرور شامل ہونگے اور کوئی تیسری شق نہیں جس میں کوئی شامل سمجھا جائے۔ اگر اخلاق کی بنیاد محض عقل و حکمت پر رکھی جائے

---

[۱] یہ فہرست ابنِ ندیم سے لی گئی ہے۔ شہرستانی نے مندرجہ ذیل احکام بیان کئے ہیں:

عُشر تمام احوال، چہار وقت نماز، دعا و توجہ بہ حق، ترک دروغ و دزدی و زنا و بخل و سحر و عبادت اوثان (بتاں) و ترک آں کہ بخداوندِ ذی روحی مکروہ برساند۔

تو لازماً انسانوں کی اکثریت کو بے وقوفوں کی صف میں شامل ہو کر سوائے بداخلاقی کی زندگی گزارنے کے اور کوئی راستہ نہیں۔ گویا یہ تقسیم خود اخلاقی اصولوں کی نفی پر منتج ہو کر رہتی ہے۔ اسی قسم کا نقطۂ نگاہ تمام ان فکری نظاموں میں پایا جاتا ہے جو وحدت وجود کے تصوّر پر قائم ہیں۔ ہندوستان میں اگر ایک طرف ویدانت کا خشک اور عقلی فلسفہ مروج تھا تو دوسری طرف عوام اپنے جذبات کی تسکین کے لئے ہر طبعی اور مادی چیز کے آگے سر جھکاتے رہے اور اس طرح معاشرہ دو مختلف گروہوں میں منقسم رہا۔ ایک طرف تو وہ بے شمار بلند مرتبہ رشی اور سادھو تھے جنہوں نے ریاضت اور نفس کشی سے بلند ترین اخلاقی زندگی بسر کی اور دوسری طرف انسانوں کا وہ کثیر ہجوم تھا جن کے لئے اس صبر آزما زندگی میں کوئی کشش نہ تھی، جن کے دل میں اس خدائے مطلق و موہوم کے لئے کوئی جذبہ پیدا نہ ہو سکا اور اس لئے وہ مجبور تھے کہ اپنے جذبات کی تسکین کے لئے ہر درخت و پتھر کے سامنے اپنا سر جھکا دیں۔ ایسی ہی حالت مسلمانوں میں تصوّف نے پیدا کی۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ پیروں اور بزرگوں کی کٹھن ریاضتیں ان کے لئے ممکن نہیں تو اُنہوں نے خدائے واحد کی سیدھی سادھی عبادت ترک کر کے ان پیروں کے دامن سے وابستہ ہونا بہترین مقصد قرار دے لیا اور ان کے دل میں یہ تصوّر بیٹھ گیا کہ خواہ کیسی ہی بداخلاقی کی زندگی بسر کی جائے اگر کسی پیر کے مرید ہو گئے تو بس ان کی نجات کے لئے یہی کافی ہے۔

عرفانی حکماء کے متعلق ہم دیکھ چکے ہیں کہ عرفان کے تصوّر نے ان کے ہاں بھی یہی تفریق پیدا کر دی تھی ——— چونکہ ہر شخص عرفان حاصل نہیں کر سکتا اس لئے نجات کا دروازہ صرف چند منتخب اشخاص کے لئے کھلا ہے۔ باقی لوگ نہ اس کے اہل ہیں اور نہ خدا نے ان کی نجات کا ذمہ لیا ہے اس لئے اخلاقی اصول صرف معدودے چند لوگوں کے لئے ہی ہیں۔ انسانوں کی اکثریت کے لئے سوائے بداخلاقی کے اور کوئی چارہ نہیں۔ عیسائیت اور مانویت بھی اسی طرح اس غلط اصول کے شکار ہوئے۔ اگر اخلاقی معیار کو بہت بلند رکھا جائے جس سے مطابقت ہر شخص کے لئے ممکن نہ ہو تو اس تفریق کا نتیجہ اس کے سوائے کچھ نہیں کہ انسانوں کی اکثریت کو اخلاقی معاملات میں پوری آزادی اور بے راہ روی کے راستہ پر چھوڑ دیا جائے۔ چند انسانوں کے لئے حدود اور اصول کی سختی باقی انسانوں کے لئے اباحت کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہوتی ہے۔ اگر مانی کے خیال میں یہ تمام کائنات نور و ظلمت کی آمیزش کا نتیجہ ہے اور اس کی تخلیق کا واحد مقصد یہ ہے کہ نور کے ذرّات کو ظلمت کے عناصر سے علیحدہ کر دیا جائے تو اس مقصد کے حصول کے لئے یہ کونسی عقلمندی ہے کہ صرف ایک مختصر سی اقلیت ہی (صدیق) اپنی زندگی کو وقف کرے اور باقی انسان وہی طریقۂ زندگی اختیار کرتے چلے جائیں جس سے یہ مقصد فوت ہوتا ہو۔ یہی تضاد تھا جس کو ایک روایت کے بموجب زرتشتی موبدان موبد نے شاہی دربار میں مانی کے سامنے پیش کیا اور جس کا کوئی جواب وہ نہ دے سکا۔ اس نے مانی سے سوال کیا کہ اگر انسانی وجود شاہ ظلمت کی تخلیق ہے اور ملک جنان نور کا مقصد شاہ ظلمت کو شکست دینا ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم کو یعنی مانی کو قتل کر دیا

جائے اور اس طرح اس کے اصول کے مطابق نور کے عناصر کو ظلمت کے پنجے سے چھڑا دیا جائے؟ اگر نباتات اور گوشت کے استعمال سے نورانی اجزا کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، اگر قطع نسل انسانی ہی ایک بہترین اور صحیح راستہ ہے تو پھر اس میں مصالحت کیوں روا رکھی جائے؟

مانی کا نظریۂ حیات خالص راہبانہ تھا اور اس لئے اس کے نظامِ اخلاق کا نفیٔ حیات پر منتج ہونا ایک لازمی امر تھا۔ ایسے نظامِ اخلاق کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو وہ منطقی حیثیت سے تمام نسل انسانی کے انقطاع کی حوصلہ افزائی کرے یا عام لوگوں کو اس سے مستثنیٰ کر کے ان کے لئے اباحت کا دروازہ کھول دے۔ ایسے نظامِ حیات کی مخالفت زرتشت کے پیروؤں کے لئے ایک یقینی بات تھی۔ زرتشت کا مذہب ایک حقیقت پسندانہ دین تھا جس نے نہ صرف تمدنی زندگی کی ذمہ داریوں کو قبول کرنے کی دعوت دی بلکہ اس کو ترقی دینے کے لئے لوگوں کو متوجہ کیا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ مانویت اور زرتشتی مذاہب دونوں ایک ہی بنیادی فکر یعنی ثنویت کے حامی ہیں لیکن جیسا کہ ہم پچھلے مضمون میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں مزدیسنا کو کسی حیثیت میں بھی ثنویت کا مذہب نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ مانی صحیح طور پر دو قدیم اصولوں کا مبلغ تھا۔ اس کے علاوہ ان کے اخلاقی نظاموں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مزدیسنا اثبات حیات کا اور مانویت انکارِ حیات کا حامی ہے۔ پہلے کے نزدیک زندگی کا مقصد بدی اور شر کو مٹانا اور دوسرے کے نزدیک اس کائنات سے نور اور نیکی کے اجزا کو بدی اور ظلمت کے اجزا سے علیحدہ کرنا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر آخر کار سارے نورانی اجزا کو ظلمات سے بچا لیا جائے اور پھر وہی حالات پیدا ہو جائیں جیسا کہ حملۂ ظلمت سے پہلے تھے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ شاہِ ظلمات پھر عالمِ نور کو دیکھ کر دوبارہ حملہ کرنے پر آمادہ ہو جائے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہی کائنات، یہی انسان، یہی چاند و سورج، یہی زمین و آسمان پھر پیدا ہونگے اور شاید مسیح و مانی، بدھ و زرتشت بھی اس دنیا میں اسی طرح آ موجود ہوں جس طرح اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ مانی کے نظام میں اگرچہ اس کی طرف کوئی اشارہ موجود نہیں لیکن نور و ظلمات دونوں کو مساوی طور پر قدیم تسلیم کرنے سے یہ دوری نقطۂ نظر کا پیدا ہونا یقینی ہے اور یہی قنوطیت کی بنیاد ہے جو مانویت کا ایک لازمی حصّہ ہے۔

لیکن جس اہم سوال کو مانی نے چھیڑا تھا وہ صرف مانوی مذہب تک محدود نہیں۔ اس سوال نے تقریباً ہر نظامِ فکر اور ہر مذہب کو کچھ نہ کچھ جواب دینے پر مجبور کیا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو مانی کا حل دوسرے نظاموں سے کچھ زیادہ مختلف بھی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا شر کا وجود تخلیق آدم و کائنات سے پہلے تھا یا بعد میں؟ ایک جدید مغربی حکیم کی رائے ہے کہ اگر ہم ہبوطِ آدم کو انسان کی اس ارضی زندگی کا حصّہ قرار دیں تو اس سے شر کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا اور تقریباً یہی رائے مانی کی تھی اور اسی لئے اس نے انسان اوّل یعنی آدم کی تخلیق کو شر کے عالمِ وجود میں آنے سے مؤخر قرار دیا۔ آدم اور فرشتوں کا قصّہ بائبل اور قرآن دونوں میں مذکور ہے۔ آدم کی لغزش اور نافرمانی بدی کا پہلا مظاہرہ نہیں۔

اس سے پہلے شیطان خدا سے روگردانی کا مجرم قرار پا چکا تھا۔ قرآن میں ابلیس کو ملائکہ میں سے شمار کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس فرشتے سے یہ جرم کب اور کیوں سرزد ہوا؟ اس سوال کے دو مختلف جواب دئے گئے ہیں۔ پہلے گروہ کا خیال ہے کہ ابلیس انسان سے حسد کرنے کی وجہ سے ذلیل و مردود ہوا اور اسی لئے اس نے آدم سے انتقام لینے کے لئے اسے گمراہ کیا۔ اس کے مطابق بدی کا آغاز تخلیق آدم کے بعد لیکن آدم کی لغزش سے پہلے ہوا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ابلیس کی ذلّت کا باعث غرور تھا جس میں وہ تخلیق آدم سے پہلے ہی مبتلا ہو چکا تھا۔ لیکن ہم ان میں سے کوئی بھی توجیہ قبول کریں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آدم کی تخلیق اس وقت ہوئی جبکہ نیکی اور بدی کی قوتیں پہلے ہی موجود تھیں۔ ایک طرف خدا منبع و مصدر خیر و خوبی، مالک اسماء حسنٰے اور دوسری طرف ابلیس جو آغاز میں اس نور ازلی کے تابع فرمان لیکن حقیقت میں باغی اور مصدر شر۔ اگر اس میں بدی کا شائبہ نہ تھا تو ایک خاص موقع پر آ کر اس سے بدی کا صدور کیسے ہو گیا؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان راہِ راست سے بھٹکتا ہے اس لئے کہ وہ ایک ایسی دنیا میں تخلیق کیا گیا جہاں دو قوتیں پہلے سے برسر پیکار تھیں، جہاں ایک طرف نور و خیر تھا اور دوسری طرف ظلمت و شر۔ اگرچہ نور و خیر زیادہ طاقتور ہے تاہم ظلمت و شر کی عملی طاقت بھی کچھ کم نہیں اور یہی نظریہ تھا جس کو مانی نے تمثیلی طور پر پیش کیا۔

مزدک۔ مزدک ایک حیثیت سے مانی کا پیرو تھا کیونکہ اس کے نظامِ فکر میں چند تبدیلیوں کے سوا وہی ثنویت ملتی ہے جو مانی کے ہاں ہم دیکھ چکے ہیں۔ مزدک عام طور پر اپنی اشتراکیت کے لئے مشہور ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس زمانے میں اس نے اپنی اصلاحی تحریک شروع کی اس کا تقاضا کچھ ایسا ہی تھا۔

ایرانی سوسائٹی کی بنیاد دو باتوں پر تھی، ایک نسب اور دوسری جائداد۔ امیروں اور عوام الناس کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم تھی اور کوئی عام آدمی ترقی کر کے امراء میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ دونوں گروہ سواری، لباس، مکان، باغ عورتوں اور خدمتگاروں کے لحاظ سے متمیز تھے۔ ایک جگہ اس فرق کو یوں بیان کیا گیا ہے "امراء کو عام پیشہ وروں اور ملازمین سے جو چیز ممتاز کرتی تھی وہ ان کی سواری کی شان و شوکت اور ان کے لباس اور ساز و سامان کی چمک دمک ہے، ان کی عورتیں اپنے ریشمی لباس سے پہچانی جاتی ہیں، ان کے سر بفلک محل، ان کی پوشاک، ان کے جوتے، ان کے پاجامے، ان کی ٹوپیاں، ان کا شکار اور ان کے دوسرے امیرانہ شوق، غرض ہر چیز ان کی عالی نسبی کا پتہ دیتی تھی"۔ لیکن صرف یہ نمایاں فرق ہی نہ تھا بلکہ اس فرق و امتیاز کو جس چیز نے سب سے زیادہ عوام کے لئے تکلیف دہ بنا دیا تھا وہ ذات پات جیسی مطلق تفریق تھی۔ اگر کوئی عام پیشہ ور دولت حاصل کرنے کے بعد اس طمطراق کی زندگی بسر کرنا بھی چاہے تو اسے اجازت نہ تھی۔ امیروں کو کئی کئی شادیاں کرنے کی اجازت تھی۔ فردوسی نے اس بارے میں ایک حکایت لکھی ہے کہ خسرو اوّل نوشیرواں کو جنگ کے سلسلے میں روپے کی ضرورت تھی۔ ایک موچی نے اس کو روپیہ اس شرط پر دینا منظور کیا کہ اس کے بیٹے کو دبیروں میں داخل کر لیا جائے۔ لیکن بادشاہ نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور شاہنامہ کے الفاظ میں یوں کہا

چو فرزند ما برنشیند بہ تخت — دبیری بیایدش پیروز بخت
ہنر یابد از مرد موزہ فروش — سپارد بدو چشم بینا و گوش
بدست خرد مند مرد نژاد — نماند جز از حسرت و سرد باد
بما بر پس مرگ نفریں بود — چو آئین ایں روزگار ایں بود[1]

اس حکایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوسائٹی کے طبقات کی یہ حدبندی اتنی سخت تھی کہ عوام الناس کو سوائے ظلم واستبداد سہنے کے اور کوئی اختیار نہ تھا۔ بادشاہ قباد نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں مزدکیوں کے ساتھ مصالحت کر لی تھی اور اس کا صحیح سبب یہ نہ تھا کہ وہ مزدکی ہو گیا تھا بلکہ وہ ان کی مدد سے امراء سلطنت کی قوت ختم کرنا چاہتا تھا جو اس کے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹ بنے کھڑے تھے۔ اس تعصب اور ناانصافی کے ساتھ ساتھ ایران کی معاشی اور سیاسی حالت بالکل تباہی کے قریب تھی۔ ملک کے شمال، مغرب، جنوب اور مشرق کی طرف دشمنوں سے لڑائیاں، قحط، شکستیں، بیماریاں یہ تمام اسباب مل کر عوام الناس کے لئے انتہائی آزمائش تھے۔ ایسے حالات مزدک کی تحریک کے لئے کافی سازگار ثابت ہوئے اور حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ مزدکی اشتراکیت ایرانی سوسائٹی کے امراء اور بادشاہوں کی عیاشی اور ظلم کا ردعمل تھی۔ مزدک کا مقصد ایک طرف معاشرے کی اصلاح تھی اور دوسری طرف زرتشت اور مانیوں کے پیروؤں میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں ان کا دور کرنا تھا۔

شہرستانی کا کہنا ہے کہ مانویت کی طرح مزدکیت میں بھی دو قدیم جوہر یعنی نور وظلمت کو کائنات کی اصل تسلیم کیا گیا ہے فرق یہ ہے کہ مزدک کے نزدیک ظلمت کا فعل نور کے فعل کی طرح ارادے اور تدبیر پر مبنی نہیں بلکہ اندھا دھند اور اتفاقی ہوتا ہے اور اس لئے نور وظلمت کی آمیزش جس سے مادی دنیا وجود میں آئی کسی باقاعدہ منصوبے کا نتیجہ نہیں بلکہ محض امر اتفاقی تھا۔ اسی لئے مزدکیت میں ظلمت پر نور کی برتری کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب اجزائے نور عناصر ظلمت سے علٰحدہ ہوں گے تو وہ بھی ایک اتفاقیہ امر ہو گا نہ کہ اختیاری۔ مانی کے پانچ عناصر نور کے مقابلہ میں مزدک نے صرف تین عناصر کو تسلیم کیا ہے۔ پانی، مٹی اور آگ۔ مزدک کے نزدیک خدا اور معبود کا تصور یہ ہے کہ وہ عالم بالا میں تخت پر بیٹھا ہوا ہے اسی طرح جس طرح خسرو اپنے تخت پر اور اس کے سامنے چار قوتیں حاضر ہیں: قوتِ تمیز، حفظ، فہم، سرور جس طرح خسرو کے دربار کا مدار چار شخصوں پر ہے: موبد موبدان، ہربد اکبر، اسپہبد، رامشگر۔

لیکن اگرچہ مزدک کے نزدیک اجزائے نور کا استخلاص امر اتفاقی ہو گا لیکن اس کے باوجود انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اس عمل میں مدد کریں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہم ان تمام باتوں سے اجتناب کریں جن کے باعث روح کو مادے سے زیادہ وابستگی حاصل ہوتی ہے اس لئے مزدکیوں کو ہدایت تھی کہ حیوانات کو نہ مارا جائے اور نہ ان کا گوشت استعمال کیا جائے۔ خوراک کے معاملے میں سخت پابندیاں تھیں۔ مزدک نے لوگوں کو ایک دوسرے کی مخالفت اور نفرت اور لڑائی جھگڑے سے

[1] ایران بعہد ساسانیاں صفحہ ۴۱۲-۴۱۳

سختی سے منع کیا تھا اور چونکہ تمام معاشرتی بیماریوں کی اصل بنا اس کے نزدیک عدم مساوات تھی اس لئے اس نے ہر طرح کی عدم مساوات کے خلاف جہاد کیا تاکہ قوم میں فتنہ و فساد کی وجہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اس کا خیال تھا کہ خدا تعالےٰ نے روئے زمین پر زندگی کے وسائل بکثرت مہیا کئے ہیں لیکن بدقسمتی سے چند لوگ ان وسائل پر قبضہ کرنے کے بعد اکثریت کو اپنا غلام بنا لیتے ہیں اور اس طرح ظلم و فساد شروع ہوتا ہے۔ کسی شخص کو دوسرے کے مقابلہ پر مال اور اسباب اور عورتوں کا زیادہ حصہ لینے کا حق نہیں۔ اب اگر معاشرے کی ناانصافی سے ایسی غیر مساوی تقسیم عمل میں آچکی ہے تو پھر ہمارا فرض ہے کہ ہم اس فطری مساوات کو دوبارہ قائم کریں تاکہ دنیا سے ظلم و فساد کی بنا ہمیشہ کیلئے ختم ہو۔

اکثر مؤرخین نے تحریر کیا ہے کہ مزدک نے مال و دولت کی اشتراکیت کے ساتھ ساتھ عورتوں کی مشترک ملکیت کی بھی تعلیم دی لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ محض الزام معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم شروع میں اجمالاً ذکر کر چکے ہیں ایرانی معاشرے میں عدم مساوات اپنی انتہائی حد تک پہنچ چکی تھی۔ ذات پات کی انمٹ تفریق، عوام الناس کو امیروں اور وزیروں کا زرخرید غلام سمجھنا، امراء کا بلا تحدید شادیاں وغیرہ وغیرہ ایسے امور تھے جن کے خلاف مزدک ہی نے آواز بلند کی۔ بادشاہ قباد کے متعلق بعض مورخین لکھتے ہیں کہ اس نے مزدک کے مشورے سے قحط کے زمانے میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص اپنے پاس غلہ جمع کر کے رکھے گا اور محتاجوں کو نہیں دے گا وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔ اگر یہ طریقۂ کار قباد نے مزدک کے کہنے پر استعمال کیا تو یقیناً ایک بہترین لائحہ عمل تھا جو ایسے حالات میں ایک دانا حکمران کے لئے مناسب ہے۔ اس میں مزدک کو کسی مکاری یا عیاری کا ارتکاب کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی جیسا کہ مثلاً فردوسی نے الزام لگایا ہے۔ حالات یقیناً خراب تھے اور دولت کی غیر مساوی تقسیم سے عوام بالکل پریشان حال ہو چکے تھے۔ اگر ان مجبوریوں سے تنگ آ کر انہوں نے امراء کے اناج کے ذخیروں کو لوٹ لیا ہو تو کوئی بعید نہیں۔ اس میں مزدک یا اس کی تعلیم کو موردِ الزام بنانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ قباد نے مزدک کے مشورے سے جو تدابیر بھی اختیار کیں وہ مظلوم رعایا کی مصیبت کو دور کرنے کی غرض سے تھیں۔

لیکن جب سنہ ۴۹۸ء میں قباد نے دوسری دفعہ ساسانی تخت پر قبضہ کیا تو اس کے بعد اس نے مزدک کے ساتھ اپنے پہلے تعلقات ختم کر دئے اور آیندہ سے اس نے اس تحریک کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس تبدیلی کی ایک خاص وجہ تھی۔ مزدکیت شروع شروع میں ایک مذہبی تحریک تھی اور اس کے بانی کی خواہش تھی کہ معاشرے سے بے انصافی اور عدم مساوات ختم ہو جائے اور مکمل اصلاحات جاری کی جائیں۔ اس کا جذبہ خالص انسان دوستی اور عوام کی فلاح و بہبود تھا۔ اس معاملے میں اس کی نیت پر کوئی حملہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کے خلوص میں کوئی شبہ کیا جانا مناسب ہے کیونکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اس وقت ایران میں اس سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ قباد ایک حقیقت پسند بادشاہ ہونے کی حیثیت میں مجبور تھا کہ اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے عوام کے حقوق کی حفاظت میں کوشاں ہو اور ان کی بڑھتی ہوئی پریشانیوں کو ختم کرنے کے لئے عملی اقدام کرے۔ اس نے مزدکی تحریک کی حمایت یا سرپرستی محض اس غرض سے کی تاکہ ان کی مدد سے یہ انقلاب پُرامن طریقے

سے پیدا کیا جا سکے لیکن اس کی معزدلی کے بعد حالات کی رفتار تیز ہو گئی ۔ اشتراکی عقائد عوام کے نچلے طبقوں میں جو صدیوں سے امراء کے ہاتھوں مصیبتیں جھیل رہے تھے سرعت کے ساتھ پھیلتے چلے گئے ۔ ان انقلابی تصورات سے ان لوگوں نے فائدہ اُٹھانا چاہا جو مذہبی جذبے کی بجائے اپنے ذاتی اغراض کی خاطر میدان میں اُتر آئے تھے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مزدکی تحریک نے ایک عوامی انقلاب کی شکل اختیار کر لی ۔ کسانوں نے بغاوتیں شروع کر دیں ۔ لوٹ مار کرنے والے امراء کے محلوں میں گھس جاتے تھے ، مال و اسباب لوٹ لیا جانے لگا ۔ عورتوں کو اغوا کیا گیا ، مکانات اور زمینیں تباہ کر دی گئیں ۔ ان حالات کے باعث قباد نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مزدک اور اس کی نئی تحریک کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیگا ۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ۵۲۸ عیسوی (یا ۵۲۹) میں اس نے دھوکے سے مزدک اور اس کے پیرؤوں کو ایک جگہ جمع کر کے ان کو قتل کروا دیا[1] ۔

لیکن اس کے باوجود قباد اور اس کے بعد اس کے جانشین خسرو انوشیرواں کو عوام کی بہبودی کی خاطر چند ایسی اصلاحات کرنی پڑیں جن کا مطالبہ مزدک کی طرف سے کیا گیا تھا ۔ اگر ساسانی بادشاہ مزدک کے بنیادی اُصولوں کو تسلیم کر لیتے تو شاید ایران کی معاشرتی اور معاشی زندگی میں وہ بحران کبھی پیدا نہ ہوتا جو بعد میں وہاں نمودار ہوا اور جس کے باعث چند ہی سالوں میں ساسانی خاندان مسلمانوں کے مقابلے پر زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا ۔

۱؎ نظام الملک نے سیاست نامہ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسمٰعیلی اور خاص کر حسن بن صباح کے پیرو مزدکی تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزام محض عناد کی وجہ سے تھا ۔

JAMIA LIBRARY
20 JUN 1957

اسلام کا نظریۂ اخلاق

مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی

قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

مسئلہ زمین

مصنفہ پرنسپل محمود احمد صاحب

قیمت تین روپے آٹھ آنے

فقہ عمر

مصنفہ ابو یحییٰ امام خان

قیمت چار روپے

قرآن اور علم جدید

مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب

قیمت پانچ روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ

منیجر ادارۂ ثقافت اسلامیہ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور